



ستاره نما

.....



ستاره نما

عمران سینفی

دھنگ مطبو عاش

ترمیم و اہتمام

زاہد محمود آبد

حمدان خالد

جملہ حقوقِ حق شاعر محفوظ ہیں

نام کتاب :	ستارہ مٹا
مصنف :	عمران سیفی
سرورق :	فرزاد علی زیرک
ء ۲۰۲۱ :	باراول
کمپوزنگ :	حمدان خالد
مطبع :	دھنک پرنگ ایجنسی
قیمت :	500/-
بیرونی ملک :	10 ڈالر --- DKK100
راہ طے :	کوپن ہیگن ڈنمارک
ای میل :	imransaify@gmail.com

اپنی کتاب کی بہترین اشاعت کے لیے رابطہ کریں



دھنک مطبوعات

dhanakmatbaat.ua786@gmail.com
#042-37320030 # 0300-8873052 / 0332-0045336

انتساب

پیارے والد سیف اللہ خاں کے نام جن کے نام کی نسبت سے میں سیفی ہوں
اور جن سے بڑھ کر محبت میں کسی سے کرہی نہیں پایا



فہرست

۱۳	 سعود عثمان	چراغ جلتا ہے
۱۶	 صدف مرزا	ستارہ نما..... یا ”نئی گفار کی شرط“
۲۳		حمد و نعمت
۲۵		جس کا جو بننا تھا میں نے بر ملا و اپس کیا
۲۶		لگ کے دیوار سے ہے کھڑا آئندہ
۲۷		خدائی کا نہیں پوچھا گیا کہ ڈھب کیا ہے
۲۸		ترزپ
۳۰		وادیِ عشق میں جور ہتے ہیں
۳۱		مرے دوست تیری خبر ملی بڑا دکھ ہوا
۳۳		تمام رات ہوا کا چلن بدلتا ہے

۳۴	پینک اٹیک	
۳۵	روگ پلتارہا	
۳۷	ادائی	
۳۹	قطعہ	
۴۰	تین شعر	
۴۱	قطعہ	
۴۲	زندگی کی بند ربانٹ	
۴۳	تین شعر	
۴۵	دو شعر	
۴۶	چلو پھر سے بولیں	
۴۹	حساب	
۵۱	اشعار	
۵۲	کھو تو لکھوں	
۵۳	سنومیں نظم لکھنے جا رہا ہوں	
۵۶	محبت اک عجوبہ ہے	
۵۹	ایک ادھوری نظم	
۶۲	سمندر نے تو فرض اپنا بھایا	
۶۳	کریش	

۶۳	طوابق	✿
۶۶	وقت کو داتاں دے دی ہے	✿
۶۷	شعر	✿
۶۸	چند سال نیں ہی پہنچ گئی میں زیست کی زندگی میں	✿
۶۹	ستارہ نما	✿
۷۲	اس سے پہلے کہ یہ زمین پہنچ	✿
۷۳	اس تعلاق کو کر بحال میاں	✿
۷۵	کیا ہوا اکب ہوا کیوں ہوا پھر ہی	✿
۷۶	یوں نہیں ہے کبھی نہیں کرے گا	✿
۷۷	اس سے پہلے کہ خود کشی ہو جائے	✿
۷۸	قریب ہے کہ وہ کہہ دے کوئی نہ انہیں ہے	✿
۷۹	انتنے گھرے زخم میں توکس لیے سیتے ہوتم	✿
۸۰	ترام لنا مجھے یاد آ رہا تھا	✿
۸۱	کوئی شعلہ شراروں میں چھپ جائے گا	✿
۸۲	تین شعر	✿
۸۳	وہ مرے زیر اثر زندہ رہا	✿
۸۵	اب تک ادا اسی قید ہے	✿
۸۸	جیسے کہتا وہ میں وہ کرتا نہیں	✿

۸۹	سو تے رہنا صرف بہا نہ ہوتا ہے	✿
۹۰	عشق میں پچھ بھلانہیں ہو گا	✿
۹۱	ہن	✿
۹۳	آئینہ حیات میں چہرہ نہ دیکھیے	✿
۹۴	کیفیت آج کیسی طاری ہے	✿
۹۵	پردیں	✿
۹۷	فقیر	✿
۹۹	ارادہ	✿
۱۰۱	چلو یہ مان لو چ راغ تم ہوا وہ ہوا ہوں میں	✿
۱۰۲	بدن کو تیرگی میں بورہا ہوں	✿
۱۰۳	سمندر ہو جہاں اکشوہاں جانی نہیں جاتی	✿
۱۰۴	ضروری ہے اگر یہ امتحان تو لے لیا جائے	✿
۱۰۵	مرنے والوں کی ہم قطار میں ہیں	✿
۱۰۶	چند تکامیں ہیں پچھ خط ہیں تیاری میں کیا رکھا ہے	✿
۱۰۷	ویسے ناممکن لگتا ہے پر دکھلایا جاسکتا ہے	✿
۱۰۸	تو ایک مدت کے بعد مردہ سمجھ کے یوں جس کو رو رہا ہے	✿
۱۰۹	پناہ	✿
۱۱۲	چ راغ دن میں جلا رکھا ہے	✿

۱۱۳	جاگیر	✿
۱۱۶	رات بھر جا گئے رہنے کا سبب جانتا ہوں	✿
۱۱۷	یہ تو تم نے کہا تھا آؤں گا	✿
۱۱۸	شکست	✿
۱۲۰	ہوش والوں کو کہاں علم کر کیا دشت میں ہے	✿
۱۲۱	یوں بھی اپنے آپ کو اکثر سزاد بتا ہوں میں	✿
۱۲۲	قطعہ	✿
۱۲۳	خواں کے اور بہاروں کے درمیان ہوں میں	✿
۱۲۴	لمحہ اسکا دھارا جاتا ہے	✿
۱۲۵	آپ ہی کا ہے یہ احسان لیے پھرتے میں	✿
۱۲۶	پھر ترا کو زہ گر بھرم رکھا	✿
۱۲۷	کوئی شعلہ شراروں میں چھپ جائے گا	✿
۱۲۸	بدل چکا ہے ہواں کا رخ بدل تو بھی	✿
۱۲۹	فرش کرلو گر نہیں ملتا	✿
۱۳۰	استعارہ	✿
۱۳۳	قطعہ	✿
۱۳۴	قاتلا	✿
۱۳۵	درد کو یہمار کر	✿

۱۳۶	تقسیم *
۱۳۸	قطعہ *
۱۳۹	چراغوں کے نگر میں اے اجالو *
۱۴۰	دلاسہ کون دے گا دیکھ لیں گے *
۱۴۱	گیٹ نمبر 19 *
۱۴۳	بائی پاس *

چراغ جلتا ہے

عمران سیفی سے ملاقات ہوتو یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اس کی باتیں زیادہ لطف دیتی ہیں
 یا اس کی شاعری اس کے مزے دار جملے سنتو اس کی شاعری بھولنے لگتی ہے۔ شاعری سنتو
 اسی جہان میں رہنا اچھا لگتا ہے یہ عمران کی طرفہ شخصیت کا کمال ہے کہ وہ اپنی ہر جہت کی
 طرف توجہ کھینچتا ہے ہر طرح خود کو منو اتا ہے۔ عمران سے پہلی ملاقات بھی یاد ہے۔ ایک
 خوب صورت ہنس کھنو جوان میرے دفتر میں میرے سامنے بیٹھا تھا۔ شاعری کی خوبیوں اس
 کے اندر اس طرح لوڈیتی تھی کہ اس کی لپٹوں میں اس کا چہرہ روشن تھا۔ اس عمر میں شاعری کا
 روگ لگ جائے تو اضطراب، جتنجہ اور تحمس انسان کو سڑکوں، گلیوں اور دروازوں میں لیے
 پھرتے ہیں۔ میں بھی اس دور سے گزر ہوں اور اس بگولے سے واقف ہوں جو رقص خو
 درویش کی طرح و سمعتوں کی سیر کرواتا ہے۔ وہ ایک لگن میں میرے پاس آیا تھا۔ اس وقت
 میرا اندازہ یہی تھا اور آج جب اس کا شعری مسودہ ستارہ نما میرے سامنے ہے تو قصہ اپنی
 ہوتی ہے کہ اس کے جذبے کتنے کھرے اور خالص تھے۔ بالکل اس کے سکون کی
 طرح۔۔۔۔۔

یہ سکے شہر میں جا کر چلانا
 میاں یہ دشت ہے دشت نکالو
 تلاشِ رزق میں وہ گھر سے نکلا اور یورپ جا بسا لیکن اس کی تلاشِ عشق کم نہ ہوئی۔
 تیز ہوا کے سامنے اس تمام سفر میں اس نے اپنے روشن چراغ کو ایک خواب کی اوٹ میں

رکھا کہ یہ چراغ اسے محبوب بہت ہے۔ وہ جب کہتا ہے کہ چراغ بیچنے والے سے پوچھ شب کیا ہے تو اسے شب اور چراغ دونوں کا مکمل ادراک ہے۔

تمام رات ہوا کا چلن بدلتا ہے

سو جاگتے رہو جب تک چراغ جلتا ہے

.....

جس کا جو بنتا تھا میں نے بر ملا واپس کیا

یعنی میرے پاس اب تک جو بھی تھا واپس کیا

.....

شب تقاضہ کرنے آئی تھی سو میں نے جاگ کر

پہلے اپنا خواب ڈھونڈا پھر دیا واپس کیا

.....

پکارتا ہے کوئی پھر نئے دریپھوں سے

میں گاؤں چھوڑ تو آیا ہوں دوست اب کیا ہے؟

.....

ہوش والوں کو کہاں علم کہ کیا دشت میں ہے

چل اے آشفته سری تیرا مزہ دشت میں ہے

.....

آج کی شام بلا خوف چراغاں ہو گا

کیونکہ وحشت کے تعاقب میں ہوا دشت میں ہے

وہ راستہ جس کے پہلے گام پر میں نے ایک تجسس، باہر نوجوان کو کھڑے دیکھا تھا، راہرو کے ساتھ سفر کرتا اس سنگِ میل تک آگیا ہے جس پر جملی حروف سے ستارہ نما کے الفاظ جگمگ کر رہے ہیں۔ عمران سینی یہ راستہ یہ فاصلہ بہت مبارک اگلا سنگِ میل کسی اگلے موڑ پر تمہارا منتظر ہے۔

سعود عثمانی

لاہور

ستارہ نما..... یا ”نتی گفتار کی شرط“

ایڈگر ایلن پونے اپنے مضمون فلاسفی آف کمپوزیشن، اختصار اور تاثیر کی وحدت پیدا کرنے کا عمل اہم بتایا ہے۔ اثر انگیزی اپنے ساتھ باقی محاسن لے کر آتی ہے ارسٹو، لانچائنس اور کولرج نے تخلیق اور تخيیل اور رفتہ خیال کو عظیمہ خداوندی بتایا ہے۔ یہ اکتسابی نہیں ہو سکتا اگرچہ ان سب کی اپنی اپنی اصطلاحات میں تخيیل، بلندی افکار اور بлагافت کی تفسیر الگ الگ ہے۔ لیکن یہ تخيیل کولرج کے بقول کسی بھی فن پارے کی روح ہے۔ یہ عمومی تجربے سے شعری تجربے تک تخيیل بھری زندگی ہے۔ یہ میں پر ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر فلکی نظام کے ستارگان کی بنضنوں پر انگلیاں رکھنے کا نام ہے۔ یہ محض شب بیداری کی ریاضتا اور فاعلات و فاعلات کے جلالی اور جمالی اور ادو و طائف سے برتر ہے اور عمران سیفی کو مبارک ہو کہ ان کی شاعری داخلی جذب اور سوی اندرون کی چنگاری سے شعلہ بنتی ہے۔

مصنوعی تنفس کی پھونکوں اور فنی مشقت کی پھونکی کے دھکڑ پکڑ سے بالاتر ہے۔ شعری ایلیٹ کولرج، ایلیٹ یا حالی اور شبلی کے مضامین اور خطبات کے علم سے نہیں ملتی۔ محاذات اور تخيیل کا امتحان جسم اسرافطری ہے اور عظیمہ ہے۔ جب سب عناصر یکجا ہونے لگتے ہیں تو اختصار، تخيیل، اثر آفرینی گفتار کی پرواز کو بھی نئے آفاق کا پتادیتی ہے۔

بزم میں رکھی گئی ہے نئی گفتار کی شرط
اب وہی بات کرے جس کا پتادشت میں ہے
دشت قرن ہا قرن پر انا استعارہ سہی لیکن اسی سے شہر کو جاتی ایک رہگور بھی نکلتی
ہے۔ شہر جس پر جنگل کا گمان گزرنے لگتا ہے۔

خداشناسی اور خودشناصی کے خوش کن الفاظ کے حریری پر دے میں مسلک و مذهب
کا سودا کرتے، افکار بیچتے اذہان لقدس کے نام پر خون کی ہولی کھیلتے ہیں تو ایک حساس شاعر
کی کیفیات اشعار میں بدل جاتی ہیں

شہر میں ردِ دعا سے جو اُداسی پھیلی
پھر کسی نے یہ بتایا کہ خُدا دشت میں ہے

آج اس نے بد دعا دینے کی حکمکی دی مجھے
اور میں نے جلد بازی میں خُدا واپس کیا

اکیسویں صدی کی کن فلکیون سی بر ق رفتار تکنیکی ترقی نے شعر و ادب کی دنیا میں ترقی
مکuous کو رواج دیا۔ فطری شعری صلاحیت اور عملی ریاضت کے بغیر کتب زیادہ ہو گئیں اور
قاری چیچھے رہ گیا۔

شعر و ادب کے شہر میں شہرت کے متلاشی، دین و دستار سنبھالتے، جنت دوزخ
بانٹتے، مقدس ترازو اٹھائے، آیات کو منتر بنانے کے جتن کرتے، الفاظ بیچتے، اشعار پر ذہنی
اور جسمانی تشدید کرتے زاغوں کے غول قبضہ کئے بیٹھے ہیں۔

ان سے فتح کر اپنانیاراستہ بنانا عمران سیفی کے لئے باز بچہ اطفال اس لئے بھی ٹھہرا

کہ ستارہ نما کا تعلق زمینوں کے ہنگام سے نہیں، شور سے نہیں، اژدهام سے نہیں بلکہ سہولت سے تعین راستوں کا سفر ہے۔

کسی منافقت سے، مفاد سے راستے بد لئے کا دھڑکا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عمران سیفی کی نظم میں اضطراب نہیں بلکہ اطمینان کی سی کیفیت ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شعری مجموعے کو منظر عام پر آنے کی کوئی عجلت نہیں تھی کہ کپاس کے اڑتے خوش نما گالوں کے مقابل اک طلائی سکے کا اپنا وزن اور اس کی تابانی ہی اسے مقام عطا کرتی ہے۔

چراغ سخن

عمران سیفی کے اظہار میں بے پناہ روانی، بے بہاؤ اور آبشار کی صورت نغمگی سے برستے الفاظ میں ایک اطمینان ہے۔ اس بہاؤ میں ایک ٹھہراوہ ہے جس کا سبب یہ ستارگان سے شناسائی ہے۔

روگ پلٹارہا

بات پُکھ بھی نہ تھی
ہاں مگر اک گزارش کا آغاز تھا
وہ گزارش جو
جو سو کھے لبوں کی ہوں
چیرتی اک فسوں کے مقابل کھڑی ہو گئی
لفظ در لفظ ایسی شکن آپڑی
 نقطہ نوجسے پا کرتے ہوئے

دستِ بے فیض کی
 تشنہ کامی کو دیکھئے بنا
 کپکپا تارہ
 خواب آنکھوں سے جھٹکر بکھرتے رہے
 شہرِ مدون کی تابنا کی
 ملسمی نگاہوں کو ڈستی رہی
 تودہ خاک بھی
 زیرِ گرداب جامِ طلب با نئے میں یوں مشغول تھا
 جس طرح کوئی بام افق پر ستاروں کی ترتیب
 کو چھیڑنے کے لیے استعارہ کرے
 پھر بھلا چاند کیسے گزارہ کرے
 سربکف سر نگوں
 لڑکھڑاتی ہوئی اک کہانی
 کسی دستِ چاہک
 کی تدبیر کے سامنے سر جھکاتی رہی
 موڑ بنتے رہے
 اور کردار بھی شہر و قریب سے بہتی ہوئی تیرگی
 گردآ لوکوزوں میں بھرتے رہے
 کام چلتارہ
 روگ پلتارہ
 عمران سینفی کی نظم اور غزل روائی من و تو کے پنگ پانگ کھیلتے بچپن کو بہت دور چھوڑ

آئی ہے۔ یہ زمین پر رہتے ہوئے زمینی مسائل سے مکالمہ کرتی ہے۔ نگاہ کو ستاروں کی چالوں کو اور متعین راستوں کو جانتی ہے مگر زمین سے جڑے حالات پر شعر کرتا ہے۔

آج گلشن میں خون بکھرا ہے
آج پھوؤں کا ہار مت لانا

سامنی ترقی نے قتل انسانی کے جدید اور برق رفتار طریقے دریافت کر لیے۔ عمران سیفی اسی اختصار سے جو اس کا خصوصی شعری خاصہ ہے سوال کرتا ہے۔

صحح ہو گئی چائے کے ساتھ مجھ کو
بتاؤ جنازوں کی تفصیل کیا ہے؟

انہائی اختصار کے ساتھ شب اور چراغ کا حساب بے باک کرتا قلم گوشوارے میں
بھی شعریت قائم رکھتا ہے۔

شب تقاضہ کرنے آئی تھی سو میں نے جاگ کر
پہلے اپنا خواب ڈھونڈا پھر دیا واپس کیا

ایک نظم پر بات سمجھتی ہوں کہ ایجاز و اجمال میں لپٹی جامعیت، سادہ الفاظ کی مخفی معنویت، پہلو بہ پہلو رکھے شب و روز میں اس کی آنکھ کے خواب، جو ترتیب تو بدلتے ہیں لیکن اپنے مقاصد سے دستبردار نہیں ہوتے۔

اس نظم کے نئے استعارات صرف محسوس کرنے والی کیفیت ہے بیان تک آئیں تو

تا شیر کا زیاں ہونے لگتا ہے۔ فکر میں کسی مصری ماہر فلکیات کی سی دانائی سے۔۔۔

ستارہ نما

اور ستارے پھر اس بے رخی پر
 فلک کے وہ سارے
 صفحے یوں پلٹتے ہیں
 جیسے اگران میں
 یہ بے رخی درج تھی
 تو اُسے کوس لیں
 جس نے
 سب تک
 ازل سے یہ افواہ پھیلائی
 ہے کہ ستاروں میں تقدیر
 لکھی گئی
 برگ تازہ بھی
 باغ سخن
 میں کسی
 ابر کے ہالے میں
 ابر وہ جوز میتوں کی تشکیل
 کے وقت ظاہرنہ تھا

ابروہ جس نے صحراء
 کے جلتے سرایوں
 سے پانی اٹھا کر
 زمینوں کی تشكیل کے وقت
 باطن میں یوں شعبدہ کاری کی
 جس سے ظاہر
 کی آنکھوں میں نم آ گیا
 اب پڑا ہے زمیں پر

ستارہ نما

صدف مرزا
 کو پن ہیگن ڈنمارک

حمد و نعمت

بس یہ نسبت ہی ہے
جس کے ہونے سے
اس زندگی کے معانی
بدلتے نہیں

حوالہ پست ہونے

پ

بس یہ محبت ہی ہے
جور گوں میں وہ احساس
بُتی ہے جس سے سوا فسوں

لکتی
سے
ہوئی تشنگی
بھی ابوں تک
پہنچتے ہی
اک ذکر سنتی

جو
آپ کے
پاک ناموں سے مل کر بنا
اور پھر دل سکوں سے
دھڑ کنے لگا
پیاسی بجھنے لگی
اور تشنہ لبی
مُسکراہٹ بنی



جس کا جو بنتا تھا میں نے بر ملا واپس کیا
یعنی میرے پاس اب تک جو بھی تھا واپس کیا

عشق نے دیکھا تو وحشت ہی دکھائی دی اُسے
آج میں نے ریت کو جب آئندہ واپس کیا

شب تقاضہ کرنے آئی تھی سو میں نے جاگ کر
پہلے اپنا خواب ڈھونڈا پھر دیا واپس کیا

خود تو ایندھن بننے والا تھا پرندوں کو مگر
یہ بتاؤ کیا شجر نے گھونسلہ واپس کیا؟

آج اس نے بد دعا دینے کی دھمکی دی مجھے
اور میں نے جلد بازی میں خُدا واپس کیا



لگ کے دیوار سے ہے کھڑا آئندہ
دیکھ لے تجھ کو دے گا دعا آئندہ

حسن والے تجھے لوٹنے آئیں گے
گر بچا سکتا ہے تو بچا آئندہ

بادشاہا گداگر کو سکے نہ دے
گر دلا سکتا ہے تو دلا آئندہ

ریت یوں بھی نچوڑی نہیں جائے گی
میں تو کہتا ہوں اس کا بنا آئندہ

میں دکھائی نہیں دے رہا شہر کو
اب مجھے دیکھتا ہوں میں یا آئندہ



خدائی کا نہیں پوچھا گیا کہ ڈھب کیا ہے
سوال غور سے پڑھیے لکھا ہے رب کیا ہے

سراب دھوپ سے بنتے ہیں شام سے منظر
چراغ بیچنے والے سے پوچھ شب کیا ہے

پکارتا ہے کوئی پھر نئے دریخوں سے
میں گاؤں چھوڑ تو آیا ہوں دوست اب کیا ہے

یہ تو نے کمرے کا کیا حال بنا رکھا ہے
یہ عشق رنج یہ وحشت سبو یہ سب کیا ہے

اب آنکھ اشک سے بیزار ہے تو کیا کیجے
کہ اس بھاؤ کا کیوں جائیں سبب کیا ہے

پیارے چچا کی یاد میں

.....

ترتیب پ

چلو اچھا کیا تم نے
 تماری اک اسی جلدی کی عادت کی سیاہی سے
 سے کچھے کچھان کھلے خط
 گھر کی ناپینا مگر خاموش گھرے سوچ میں ڈوبی ہوئی
 دلیز پر
 گلی ہوا سے پھر پھرایتے تھے
 جونٹ کھولے تو ان میں
 کچھارا دے درج تھے
 کچھ نصیلے بھی تھے
 سبھی منظور تھے ہم کو

گکر یہ فیصلہ

اس بار جو تم نے کیا

کس خط میں لکھا تھا؟

ارادہ چھوڑ جانے کا ہمیں

کس خط میں لکھا تھا؟

بڑی جلدی میں تھے شاند

اسی جلدی نے ہم

کو آج اسی دلیز

پر یوں لا کے پٹختا ہے

کہ اب ہم پھر پھر اتے ہیں

جہاں خط پھر پھر اتے تھے



وادیِ عشق میں جو رہتے ہیں
کامیابی سے قتل ہوتے ہیں

دیکھ میرا تو مشورہ یہ ہے
گھر نہیں راستہ بدلتے ہیں

چال صیاد کی ہے روزِ عشق
بند مٹھی کو کھول دیتے ہیں

اس سے پہلے کہ آئندہ بن جائے
ریت سے خون روک لیتے ہیں

تو نے خود کہہ دیا میں عاشق ہوں
اب نہ کہنا کہ لوگ کہتے ہیں



مرے دوست تیری خبر ملی بڑا دکھ ہوا
تری پھر کسی سے نظر ملی بڑا دکھ ہوا

میں حقیر جسموں کو چھو رہا تھا وثوق سے
تری روح بھی جو ادھر ملی بڑا دکھ ہوا

مجھے رات ہوتے ہی قتل کرنے کا حکم تھا
تجھے خون بہا میں سحر ملی بڑا دکھ ہوا

وہ حسین شکل مری ہوس کے ہدف پہ تھی
جو گلی میں تھی وہی گھر ملی بڑا دکھ ہوا

جسے آئندہ بنے اک زمانہ گزر گیا
وہی ریت بارے دگر ملی بڑا دکھ ہوا

میں وہ زندگی کا مزار ہوں کہ جہاں دعا
نہیں چاہتا تھا مگر ملی بڑا دکھ ہوا



تمام رات ہوا کا چلن بدلتا ہے
سو جائے رہو جب تک چراغ جلتا ہے

سحر سے شام تک بوند بوند گرتی ہے
وہ یاد آنکھ سے جس کا لہو نکلتا ہے

یہ رات دیر تک جائے ہوئی دیکھا
ہو آنکھ نم تو ستارا کہاں سنبھلتا ہے

یہ اشک اب بھی سر آئندہ مری خاطر
یہی بہت ہے مرے سامنے نکلتا ہے

سو درسِ عشق کا پہلا سوال یہ ٹھہرا
یہ ہجر لازمی شے ہے؟ جواب چلتا ہے؟

پینک اٹیک

رات بہت بوجھل تھی بابا
 گزری راتوں میں جب کوئی
 رات کبھی بوجھل ہو جاتی
 میں چپکے سے دھیرے دھیرے تمہارے کمرے میں آتا
 مدھم سی آواز میں کہتا
 رات بہت بوجھل ہے بابا
 بستر پر لیٹے لیٹے تم
 اپنے بازو کو پھیلاتے
 ایک کنارے کو ہو جاتے
 تمہارے بازو کا تکیہ
 رات سہل کر دیتا میری
 گزری شب میں اس تکیے کو ڈھونڈ رہا تھا

روگ پلتارہا

بات پُچھ بھی نہ تھی
 ہاں مگر اک گزارش کا آغاز تھا
 وہ گزارش جو
 جوسو کھے لبوں کی ہوں
 چیرتی اک فسوں کے مقابل کھڑی ہو گئی
 لفظ در لفظ ایسی شکن آپڑی
 نقطہ نوجسے پار کرتے ہوئے
 دستِ بے فیض کی
 تشہ کامی کو دیکھئے بنا
 کلپکلپاتارہا
 خواب آنکھوں سے جھٹکر بکھرتے رہے
 شہرِ مدنون کی تابنا کی
 مسلمی نگاہوں کو ڈستی رہی

تودہ خاک بھی

زیر گرداب جامِ طلب بانٹے میں یوں مشغول تھا
 جس طرح کوئی بامِ افق پر ستاروں کی ترتیب
 کو چھیڑنے کے لیے استعارہ کرے
 پھر بھلا چاند کیسے گزارہ کرے
 سربکف سرنگوں
 لڑکھڑاتی ہوئی اک کہانی
 کسی دستِ چاپک
 کی تدبیر کے سامنے سر جھکاتی رہی
 موڑ بنتے رہے
 اور کردار بھی شہر و قریب سے بہتی ہوئی تیرگی
 گرد آ لوکوزوں میں بھرتے رہے
 کام چلتارہا
 روگ پلتارہا

ادائی

نے گرفت شب سے نکل سکا

یہ خدا رسیدہ بدن مرا

مرے حوصلوں کی صلیب پر

تراہب جب سے لٹک رہا

ہے نہالِ تن پہ عجیب سا

کوئی سلسلہ

جو بدن پر یینگتا جا رہا ہے

رگوں میں گھس کے یہ ناچتا

تو یہ کرب سہنا محال تھا

اسی خوف سے

کہ یہ سلسلہ

کہیں ڈھل نہ جائے الا و میں
 یہ و بدن میں ٹھہر گیا
 مرے ضبطِ حال کو دیکھ کر
 کئی روگ رستہ بدلتے
 میں فقط نہ روکے دکھاس کا
 تری سرد مہری کے دور میں
 مرے خواب آنکھوں میں جم گئے

قطعہ

عین ممکن ہے سماعت سے یہ ٹکرایا جائیں
بند ہونوں سے ارادوں کی گھشن بڑھتی ہے

آگرا ہے تو ابھی اوس کے چھینٹے مارو
آنکھ ملنے سے ستارے کی چھینٹ بڑھتی ہے

تین شعر

دل سے ہو کر نگاہ تک پہنچا
اشک اپنے گواہ تک پہنچا

جان بچانے کی جستجو میں فرار
قتل ہونے پناہ تک پہنچا

پھل جو میٹھا تھا مے بنایسے
صبر کیسے گناہ تک پہنچا

قطعہ

شب کسی یاد کی برف جمٹی رہی
دیپ جلتے رہے میں گھلتا رہا

رات سب کچھ بدل دینے کا شوق تھا
کروٹیں پاس تھیں سو بدلتا رہا

زندگی کی بند ربانٹ

بڑے نیم جاں

ہیں یہ وارنٹہ لمحے

یہ افگار راتیں

شب و روز کے کشتگاں

سارے تھے

نمودار ہے ہیں

مسلسل سلگتی سمٹی وہ آہیں

سقوطِ اجل پر

اپیمان سانسیں

کے جلا دنے جب

رگیں کاٹنی تھیں

مداوا کیا کیوں

مدارج ہستی

یا آفت رسیدہ

تجامل نہیں ہے
 نہ تقدیر بس میں
 مگر تھے ہوس میں
 کہیں کچھ نہیں تھا
 کٹھن ہر گھڑی تھی
 سوت تیب رکھنا
 یا تدبیر کرنا
 تو مکن نہیں تھا
 مگر خاک دامن
 غُبارِ جنوں میں
 چلا جا رہا تھا
 کئی موڑ آئے
 لڑکتے لپکتے اُچلتے ہوئے موسموں کی روانی
 لڑکپن جوانی
 میں تھا جس کا حصہ
 دیئے جا رہے تھے
 مگر اب یہ کیا ہے
 کرتن پر اذیت کے پھولوں کا گلشن
 اجڑتا نہیں ہے

تین شعر

مری پینائی جو اکتا رہی ہے
نظر منظر سے آگے جا رہی ہے

میاں ترتیب سے رکھو ارادے
تری تقدیر آڑے آرہی ہے

محبت کی جو بیماری لگی ہے
مجھے اندر ہی اندر کھا رہی ہے

دو شعر

بختِ خفته سے ملا کوچھ درویش مجھے
پھر کہیں جا کے ملی خاتہ ماتم میں جگہ

چشمِ اُمید نہیں جو ہر مژگاں دیکھو
 قطرہِ خونِ فُسردہ ہے نم سوزِ نگہ

چلو پھر سے بولیں

کوئی حرف تازہ سخن کے مزاروں
 پر روشن ہر اک
 آشنا تکلم دیے کی
 دیتی رگوں میں
 لہو پھونکتا ہے
 ہوا جس دیے کے نعاقب میں اپنی اُسی نارسانی
 کے غم میں کہ جس کے سبب اس کو
 وحشت کدوں نے
 روایات کو سامنے رکھ کے
 صحرابدر کر دیا ہے
 سُلگتے خیالات کو ساتھ لے کر

مری وادیوں میں کھڑے ہر شجر اور مضائقات کے

پست و بالا سے ٹکرائی ہے

چراغِ خُن سحرگنام کی سرحدوں پر کھڑے

چاند تاروں

کی اور تیرگی کی روانی

سے پُچھ منسلک اور جدا

استعاروں

سے گرتی ہوئی سسکیوں

کی طرف

جانے والے سبھی راستوں کے ہر اک موڑ پر

گمشدہ غم کدے کے مسافر

کو اپنی طرف کھینچتا ہے

لہبولتا ہے

لہبولتا ہے کہ آدم رے پاس آو

کہ میں ہوں وہ تشنہ لبی کا خلاصہ

تمارا اثاثہ

جہاں میں کھڑا ہوں

وہاں سے اگر دیکھ پاؤ تو دیکھو

جہاں تم کھڑے تھے وہاں پُچھ نہیں ہے

مری جانب آنے سے تمارے غم میں کی تو نہ ہو گی

گمراں میں کیا حرج ہے کہ تمارے بدن

کی دراڑیں کسی سرخ لمحے کی

محتاج ہونے سے پہلے

کہ جس میں مرے اور تمارے

بدن کی کئی داستانیں رقم ہیں

انہیں ہم مٹا دیں

نقی داستانوں کا دوازہ کھویں

چلو پھر سے بولیں

حساب

یہ طے ہوا تھا
 کہ خواب رستوں پر دونوں
 مل کر سفر کریں گے
 اور اپنے رستے میں آنے والے ہر اک پڑاو میں
 رک کے پلکوں کو جھاڑ لیں گے
 کہ وہ جو تعبیر ہونہ پائے
 وہ خواب سارے اُسی سراءے میں چھوڑ آئیں
 سو چند لمحوں کو پھر سے جا گیں
 ابھی جو بیدار ہیں تو آ و حساب کر لیں
 کہ کس سراءے میں کون تدبیر کر رہا تھا
 مری طرف سے حساب لکھ لو
 سفر کے پچھلے پڑاو میں جب
 تم اپنی پلکوں سے اپنے سب سے حسین

تعبیر ہونہ پائے جو خواب لمحے گر ار ہے تھے
 میں رورہا تھا
 سو میرے ادنیٰ سے آنسوؤں کا حساب لکھ لو
 ہاں یا دا آیا
 تم اپنی آنکھوں سے جب وہ لمحے گر ار ہے تھے
 تو ایک لمحہ مرے لیے تھا
 اور اس میں صدیوں سے چلتی آئی
 کسی روایت کا عس تاویل کرنے والے سبھی عناصر
 سے جانے کیسی عجیب تکرار کر رہا تھا
 وہ خند تھی؟ کیا تھا؟
 سو میری الجھن کا حل نکالو
 مجھے بتاؤ
 اس ایک لمحے میں کیا ہوا تھا
 تم اس میں گریہ گناہ تھے لیکن تمارے نالوں کا میں ہدف تھا
 اگر وہ گزرے دونوں کی پاداش میں
 سسکتی ہوئی محبت کی آرزوؤں کے قتل نا حق
 پہاو ہو تھی
 تو اس اذیت کا آج مجھ سے
 حساب کرلو

اشعار

ٹھہر تی شام میں جلتے سخن کے پاس بیٹھو تم
غزل کوئی جو بن جائے نظر انداز کر دینا

وہ درویش کے عالم میں بھلا سڑکوں پر لگتا ہے
جو دروازے پہ آجائے نظر انداز کر دینا

محبت میں اسے بس یاد کرنے کی اجازت دو
اگر خود یاد آجائے نظر انداز کر دینا

میں لفظوں سے رُلا دیتا ہوں اکثر احتیاطاً تم
مرا کوئی بھی خط آئے نظر انداز کر دینا

کہو تو لکھوں

طویل مدت کے بعد تیرا

یہ خط ملا ہے

اور اس میں تو نے بھی لکھا ہے

کہاں رہے تم

کہو تو لکھوں؟

بیاضِ حسرت جو لوحِ دل کو سوار کر کے

عدو کے ساحل پر آر کا ہے

کہاں سے آیا

کہاں سے لکھوں

جو بے ریا تھا وہ زور مے سے خود اپنے سینے

کے زنگ آ لوا اور خستہ کیواڑ کھلنے کا منتظر تھا

سوکھل گئے وہ

اور اب یہ عالم

کہ صحیح تازہ میں ایک تاریک ازل بھی ابھرا

پھر اس نے موہوم شہر و قریب کے پست و بالا میں
 ہر گلی میں ہر ایک درپ وہ خواب تھوکے
 جو میری کھڑکی سے جھانکتے تھے
 خمار ٹوٹا، جنون بکھرا، سکوت چھکا
 تو واہمیں کا لباس اترا
 سو میں نے اپنا بدن لپیٹا
 اور ایک انجانی رہ گور پر نکل پڑا میں
 تو پھر ہوا یوں
 ابد کے آغوش میں
 سماوی خرام لمحے جو موئی زر کی تلاش میں تھے
 وہ سطحِ دریا پہا ایسے آئے
 کہ جیسے اپنے سفینہ گر کی ہی تملکت میں
 تمام مشعل بکف ستاروں کو ساتھ لے کر
 افق کے متوازی چل رہے ہوں
 میں ان ستاروں میں رہ چکا ہوں
 اور اب کہاں ہوں
 کہو تو لکھوں؟

سنو میں نظم لکھنے جا رہا ہوں

وہ ناظروں کے پرندے
 جو سوا دسینہ بُکل میں
 دُورِ نجح و آشقتہ سری میں
 دم اُخْنَے کی بدولت نیم جاں سے تھے
 وہ پھر سے پھر پھڑائے ہیں
 کلیمِ آتشِ گفت نے
 پھر سے رازُ گلے ہیں
 سخن آہن تپیدہ سن رسیدہ لمس کے مانند
 اپنے ہی خیالوں کے حلق کو
 چیر کر ہونٹوں تک آیا ہے
 بوں سے خون ٹپکا ہے
 یہی وہ روشنائی ہے جسے

تحریر لکھنی ہے
 کوئی پوچھتے تو یہ کہنا
 اسے پھر نو بہ نو صیاد نے پیغام بھیجا ہے
 خصال صید بے پردہ
 گوارا گر مجھے ہوتا
 تو گھاؤ کس لیے دیتا
 مگر اب پھر
 تری مرگاں پو وہ تریاق رکھا ہے
 جسے پی کر زہر آشام لمحوں کی دکانوں پر
 خریداروں کا مجمع ہے
 وہیں میں آج کنے جا رہا ہوں
 سُونو میں نظم لکھنے جا رہا ہوں

محبت اک عجوبہ ہے

یہ ممکن کس طرح سے ہے

سوال اچھا ہے

لیکن تم نے پوچھا جس طرح سے ہے

مجھے محسوس ہوتا ہے

کبھی تم نے نہیں دیکھا

ہوا کے لمس پر

سانسوں کی لڑپوں میں

جزے سب موتیوں کا

ٹوٹ کر قدموں کے

ہر اس نقش پر گرنا

جهاں سے وصل کے

لمحات کی خوشبو نکلتی ہے

کبھی شناک نہیں دیکھا
 ستاروں سے پرے کیا ہے
 کہیں کچھ ہے
 جہاں پھر لوٹ کر جانے کو اکثر دل مجلتا ہے
 وہاں کیا ہے
 یہ سب کچھ دیکھنے کے واسطے
 پھر چاند کو
 اک روز ن دیوار
 کر لینا
 مسلسل دیکھتے رہنا
 کبھی شناک نہیں دیکھا
 گلوں کا سر جھکا کر
 خوشبووں کو الودع کہنا
 چمن میں گفتگو ہوتے ہوئے
 گرنسن چکے ہوتے
 تو پھر تم کو خبر ہوتی
 بہاروں کو خداوں سے بھلا یہ دشمنی کیوں ہے
 شگوفے کس لیے
 اور کس کی خاطر
 شب گزر جانے پر
 شب نم اوڑھ کر

ایسے چلتے ہیں
 کہ جیسے عشق و مسٹی کو
 جو ان عمری میں
 اپنی و سعتوں کی بھیک دینی ہو
 کبھی تم نے نہیں دیکھا؟
 پرندوں کی درختوں سے
 ذرا سی شام ڈھلتے ہی
 ہمیشہ گفتگو کرنا
 خیالوں میں محبت کو
 نمودار ہوتے ہوئے
 ہر گام پر
 قدری کے
 بے بس کھڑا تکنا
 دھنٹ کا اک سرا
 محبوب کے گھر میں اترتا ہے
 اگر معلوم ہو جاتا
 تو پھر تم کو یقین ہوتا
 محبت اک عجوبہ ہے

ایک ادھوری نظم

میں مدت بعد آیا تھا
 مرے گاؤں میں میرے گھر کے دروازے پر
 جو تالاک گا تھا
 گلی کی گرد سے مر جھا گیا تھا
 مکاں کے باہری دیوار کی کچھ جالیوں میں
 کمڑیوں نے گھر بنائے تھے
 اسی دیوار پر پچھے گھروں کو لوٹ کر جاتے ہوئے
 کچھ لکھ کے جاتے تھے
 میں اس تحریر کو پانی سے اکثر دھو کے سوتا تھا
 کبھی کچھ پڑھ کے ہنستا تھا
 کبھی ناراض ہوتا تھا
 گکروہ لفظ
 اب اک دوسرے میں اس طرح پیوسٹ ہیں جیسے

کلیروں کا کوئی گچھا
 جہاں تک ہاتھ جاتا تھا انہیں معصوم پھوں کا
 وہاں کچھ اور لکھنے کے لیے دیوار پر
 کوئی جگہ نہ تھی
 وہی کمرے وہی نقشہ وہی سامان
 جنہیں اب کے ہوا کے تیز جھوکوں میں
 چھپی کچھ گردے دھنڈا دیا ہے
 کئی سالوں کی بارش نے
 ہر اک دیوار پر کچھ سیاہ رنگ کے بد نما سے داغ چھوڑے ہیں
 مکاں کی آخری دیوار سے جو سیڑھیاں ہیں
 چھت کو جاتی ہیں
 مگر ان سیڑھیوں پر
 اب گزر شتہ سال کے طوفان نے
 گاؤں کے بوڑھے پیڑ سے لا کر
 بہت سی ٹھنڈیوں اور گھونسلوں کی کرچیوں کو باندھ رکھا ہے
 مکاں کی اوپری منزل کو میں نے خود بنایا ہے
 وہاں بس ایک کمرہ ہے
 جہاں ہم گرمیوں کی بارشوں میں لیٹ جاتے تھے
 وگرنے چھت پر سوتے تھے
 میں جس کمرے میں سوتا تھا
 وہاں پر آج بھی بستر لگا ہے

وہی تکنیہ، وہی چادر، وہی سلوٹ
 جو میں نے آخری کروٹ لیے اس پر بنائی تھی
 وہی باوصباکی قید بُوچھی
 کہ جس نے متوں پہلے مجھے آ کر جگایا تھا
 مرے مہمان خانے کے سبھی تکنیے اسی ترتیب میں تھے
 مگر پردوں کی حالت وہ نہیں تھی
 مسلسل دھوپ پڑنے سے دور نگے ہو چکے تھے
 مرے بچپن کی یادیں اور ادھورے خواب سارے
 اب مرے آنگن کے کونوں میں چھپے
 کچھ اس طرح سے دیکھتے ہیں آج
 وہ جیسے نہیں مانوس اب مجھ سے
 کہ جیسے حسن کی مورت
 کسی اک اجنبی کو دیکھ کر چہرہ چھپاتی ہے
 مجھے کچھ یاد پڑتا ہے
 کہ میں نے ہجر سے پہلے
 مرے بھائی کے بستر کے تلے سکھے چھپایا تھا
 وہ سکھ آج بھی اس جا پڑا ہے



سمندر نے تو فرض اپنا نجھایا
یہ لہروں سے پوچھو مجھے کیوں بچایا

میں خود سوچتا ہوں بنا کر ستارہ
کہاں یہ گرا تھا کہاں سے اٹھایا

ہوا کے تھیڑے ہیں دستک نہیں ہے
میں حیران ہوں تو نے گھر کیوں بنایا

تجھے عشق تھا؟ ٹھیک اب کیسی ابھسن
اگر راز تھا تو مجھے کیوں بتایا

بدن اک جزیرہ ہے دل اک سمندر
سمندر جزیرے میں کیسے سمایا

کریش

گریدمٹی
 گرید کرد کیھاں میں
 میری بقا کا نقشہ
 اگر مل تو
 نکل یہاں سے
 تلاش کرنے مزید سانسون
 کا وہ خزانہ
 جسے ہوانے
 اُچک لیا ہے
 اگر میں پہچان میں نہ آؤں
 تو ماں سے مانا
 اسے بتانا
 کہ راکھر شتوں پہ پڑ گئی ہے
 لہو کے قطرے کی انجام ہے
 نکال دیجیے
 اور اس کے بدالے میں مجھ سے
 اپنی بقا کا باقیہ وصول کیجیے

طواں

تم نہیں جانتے؟

رقص و حشت کی تصدیق کرنے لگے

اور ہنر آنکھ کے آئے میں

چھپے برہنہ عکس کو

یو خریدے کہ جب

بھوک بڑھنے لگے

پاول چانے لگیں

سوچ میں دھیان میں

یوں کہو کہ محبت کی

دکان میں

یہ ہنر کس طرح کام آئے مگر

مسئلہ نہیں

بیچنا پڑ گیا کر خریدا ہوا

وہ جو اپنا ہی تھا

پھر جنوں اور فسروں کی حدود سے پرے

ایک میدان میں دیکھنا

دیکھنا شوق کے ادھ مرے جسم کو

دیکھ کر غور کرنا

ذرا سوچنا

جو بھی ہے

جس طرح بھی ہے

زندہ تو ہے

را بلطے میں تو ہے

اور روابط کے

اس سلسلے سے جڑے گا وہ

جانا تو کہنا

ملا ہوں مگر

کام کیا کرتی ہے

میں نہیں جانتا



وقت کو داستان دے دی ہے
عشقزادے نے جان دے دی ہے

دیکھ صیاد تیرے ہاتھوں میں
صید نے خود کمان دے دی ہے

اب محبت نہیں کروں گا میں
میں نے دل کو زبان دے دی ہے

خود گرا ہوں زمین پر لیکن
اک دعا کو اٹھان دے دی ہے

باوضو ہو کے دل کی مسجد میں
میں نے غم کی اذان دے دی ہے

شعر

آج گلشن میں خون بکھرا ہے
آج پھولوں کا ہار مت لانا



چند سانسیں ہی بچی ہیں زیست کی زنبیل میں
یعنی ہم نے خوں جلایا دل رکھا قندیل میں

رات کا ہم تذکرہ کرتے ہیں پتی دھوپ میں
محمد اک سانحہ ہے خواب کی تاویل میں

تو گلے ملنا سمجھ بیٹھا ہے جس کو اصل میں
تو مری تحویل میں ہے میں تری تحویل میں

استعاروں سے عداوت اس قدر بڑھنے لگی
چاند تک ممکن نہیں تھا تھوک ڈالا جھیل میں

نج گیا تھا خاص خبروں میں مگر افسوس پھر
عشق سے نسبت گڑی اور مر گیا تفصیل میں

ستارہ نما

برگ تازہ پرندوں
کی تفضیل کیے بتائے
جو آئے گئے

اب رسا یہ کنال ہے
تو یہ ایک منظر کی
حد تک تو بہتر

ہے پر یہ
مضافات کے
حق میں بہتر نہیں

جس طرح
 چاند کے گردہالہ
 فلک دیکھنے پر
 نگاہوں کی ساری
 توجہ آئی
 سمت مرکوز کر لیتا ہے
 اور ستارے پھر اس بے رخی پر
 فلک کے وہ سارے
 صفحے یوں پڑتے ہیں
 جیسے اگران میں
 یہ بے رخی درج تھی
 تو اُسے کوں لیں
 جس نے
 سب تک
 ازل سے یہ انواہ پھیلائی
 ہے کہ ستاروں میں تقدیر
 لکھی گئی
 برگ تازہ بھی
 باغ سخن
 میں کسی
 ابر کے ہالے میں

ابروہ جوز مینوں کی تشکیل

کے وقت ظاہرنہ تھا

ابروہ جس نے صحراء

کے جلتے سرابوں

سے پانی اٹھا کر

زمینوں کی تشکیل کے وقت

باطن میں یوں شعبدہ کاری کی

جس سے ظاہر

کی آنکھوں میں نم آگیا

اب پڑا ہے زمیں پر

ستارہ نما



اس سے پہلے کہ یہ زمیں پہنچ
کیوں نا اس تک مری جبیں پہنچ

غم بڑا ہے سو عقل کیا جانے
جانے کو دل حزیں پہنچ

کاٹ دے گا وہ نبض وحشت کی
ہم اگر وقت پر نہیں پہنچ

لوٹ کر آئے گر اسے کہنا
میں کھڑا تھا جہاں وہیں پہنچ

کیا ہی اچھا ہو اس محبت میں
اک گماں تک مرا یقین پہنچے

ہم جو پہنچے تو جام خالی تھے
تم نے اچھا کیا نہیں پہنچے



اس تعلق کو کر بحال میاں
پچ کا راستہ نکال میاں

دل میں رکھا ہوا سنبھال کے رکھ
یعنی اپنی زبان سنبھال میاں

اک تو تیرا کوئی جواب نہیں
اور اس پر ترے سوال میاں

جیسے تیسے گزارنا ہو گا
وقت دیتا نہیں مثال میاں

شعر لکھتے ہوئے تجھے سوچوں
میری اتنی کہاں مجال میاں



کیا ہوا کب ہوا کیوں ہوا پھر سہی
دل میں سب کہہ دیا بر ملا پھر سہی

آگیا بے ردا کیوں مرے سامنے
آج مت آزم لوت جا پھر سہی

خود کشی کامیابی سے ہو نہ سکی
روح نے جسم سے یہ کہا پھر سہی

رات کے شور میں اک صدای بھی تھی
آج پھر دل جلا اور دیا پھر سہی

خوش رہے تو میاں ہاں مگر کب تک
آج دی ہے دعا بدعا پھر سہی



یوں نہیں ہے کبھی نہیں کرے گا
دل محبت ابھی نہیں کرے گا

ایسا دریا بناؤں گا جس میں
کوئی بھی خودگشی نہیں کرے گا

اب جزا و سزا نہیں ملے گی
اب وہ نیکی بدی نہیں کرے گا

شاہ پھر عدل کرنے نکلا ہے
جانتے ہیں سبھی نہیں کرے گا

قتل جائز جو ہو بھی جائے اگر
جس کا حق ہے وہی نہیں کرے گا



اس سے پہلے کہ خودگشی ہو جائے
کیوں نہ یہ عشق ماتوی ہو جائے

کل نہ ہو گے تو کون دیکھے گا
جو بھی ہونا ہے وہ ابھی ہو جائے

اب جو دونوں میں ٹھن گئی ہے تو پھر
عقل کو دل پہ برتری ہو جائے

اک ترا شہر اک مری خواہش
اک ملاقات سرسری ہو جائے؟

تو جو شاعر ہے تو غزل ہو جائے
گر پیغمبر ہے تو وحی ہو جائے



قریب ہے کہ وہ کہہ دے کوئی خدا نہیں ہے
جو مانتا ہے اُسے اس کی مانتا نہیں ہے

یہ عام طور پر ہوتا ہے عشق کرنے سے
سو جس میں جان گئی ہے وہ حادثہ نہیں ہے

مخالفت کی تو عادت سی ہو گئی ہے سواب
چراغ کیسے جلاؤں اگر ہوا نہیں ہے

تم اپنا خیمہ جلا دینا اپنے ہاتھوں سے
کہ اس سے جنگ اگر ہو تو جیتنا نہیں ہے

اب اس کی آنکھ میں دیکھا کریں گے عکس اپنا
جو آئئے تو بناتا ہے پچتا نہیں ہے



اتنے گھرے زخم ہیں تو کس لیے سیتے ہو تم
کیوں ضرورت سے زیادہ زندگی جیتے ہو تم

اور کتنی بار سمجھانا پڑے گا عشق میں
آنسوؤں کا کام بہنا ہے جنہیں پیتے ہو تم

بیتے کل کو یاد کر تم کو رونا چاہیے
میں اگر پیتا ہوا کل ہوں تو پھر بیتے ہو تم

پہلے تمہارا تعلق کھاتے پیتے گھر سے تھا
اب فقط آنسو میسر ہیں جنہیں پیتے ہو تم

میرا اندازہ تمہارے بارے بالکل ٹھیک تھا
جسم کی مٹی رو کرتے نہیں سیتے ہو تم



ترا منا مجھے یاد آ رہا تھا
دھوال جب دھند سے لکرا رہا تھا

ہمیں پرکھوں کے گھر کو بچنا تھا
مگر وہ پیڑ آڑے آ رہا تھا

مرے تفصیل میں جانے سے منظر
مری پینائی سے اُکتا رہا تھا

میں وہ تصویر لے کر آ رہا ہوں
کہ جس تصویر میں وہ جا رہا تھا

یقیناً گھونسلے کی فکر ہوگی
شجر اپنے شر کو کھا رہا تھا



کوئی شعلہ شراروں میں چھپ جائے گا
یعنی بھوکا قطاروں میں چھپ جائے گا

جب یہ آنکھیں اُن آنکھوں سے مکرا نہیں گی
تب یہ منظر نظاروں میں چھپ جائے گا

میں خزاں سے نکلا گیا اک شجر
نچ گیا تو بہاروں میں چھپ جائے گا

یہ شہر گونگے بہرے مکینوں کا ہے
واقعہ تو اشاروں میں چھپ جائے گا

جو ستارہ سفر میں رہا رہنا
اب وہ دیگر ستاروں میں چھپ جائے گا

تین شعر

اب تو جو کچھ بھی ہے نایاب شہر جاتا ہے
روز ہر گاؤں سے اک خواب شہر جاتا ہے

جب سمندر بھی میسر ہیں اُسے دریا بھی
جانے پھر کس لیے تالاب شہر جاتا ہے

زخم سہنا ہو تو پھر گاؤں میں رہتا ہے وجود
اور جب لا نہ سکے تاب شہر جاتا ہے



وہ مرے نپر اثر زندہ رہا
اک دیا جو رات بھر زندہ رہا

اس کے جانے کی خبر پھیلی تو پھر
جو کوئی تھا بے خبر زندہ رہا

زندگی سے سیکھ کر ہم مر گئے
زندہ رہنے کا ہنر زندہ رہا

مر گیا کوئی پرندہ ہاں مگر
ڈائری میں ایک پر زندہ رہا

زندگی کا پیچھا کرنا ہے مجھے
لوٹ آؤ گا اگر زندہ رہا

بس ترا غم دل کے ملے کے تلے
محزناتی طور پر زندہ رہا

اب تک اداسی قید ہے

اب تک اداسی قید ہے
 دل کے دورود یوار میں
 اتنے پرانے زخم ہیں
 جن کے نشان آزاد ہیں
 رکھے گئے ہیں چاک پر
 احساں کیا ہے خاک پر
 اس وصل کو مکن کیا
 اپنا لہوا سکو دیا
 اشکوں میں جوشامل رہا
 کرنے کو آئے گھر مرے
 جو بھی دعائیں کر سکے
 جن کے اثر سے دل کھلے

کھل کر کرے آزادِ غم
 اور ساتھ ان کے وہ صنم
 جس کی خوشی کے واسطے
 ہم نے پہنے وہ راستے
 جن راستوں پر دید کی
 ہم نے فقط امید کی
 ظاہر ہے یہ تشنہ بی
 تختیِ اصل میں بے چارگی
 اس پر صدائے دل نہیں
 ہم نے سنی کر کے یقین
 مل جائے گا لیکن نہیں
 وہ اک صد اتھی آخری
 گونجی تھی دل کے دشت میں
 سن کر جسے یاد آگئی
 آکر ہمیں بتلا گئی
 خاموش سینوں کا سکون
 ان کے مکینوں کے سبب
 ہوتا تھا شناہد اور اب
 وحشت دل کم یاب کی
 سینے کے خستہ باب کی
 چلن پڑی ہے درد کی

چلن انٹھا کر دیکھنا
 ممکن نہیں تھا پوچھنا
 کیسے ہوا یہ ماجرا
 کیونکر ادا اسی قید ہے
 کب سے خوشی ناپید ہے
 لیکن یہ ممکن تھا کہ دل
 اتنا شارہ دے سکے
 جس سے سوادِ دشمن میں
 موجود ہر اک چارہ گر
 دیوارِ دل کو تھام کر
 دھڑکن کو کر دے بے اثر
 اتنا بھی ہو جائے اگر
 پھر جو بھی ہو گا منتظر
 شائد ملے اس کو خبر
 ڈھونڈ و نہ ہم کو در بدر
 اب باندھ لورخت سفر
 اور لوٹ آؤ اپنے گھر
 دل دھڑکنوں کا صید ہے
 ان تک ادا اسی قید ہے



جیسے کہتا وہ میں وہ کرتا نہیں
وہ ڈراتا ہے لیکن میں ڈرتا نہیں

مجھ سے زیادہ کسے یاد آؤ گے تم
میری طرح کوئی آہ بھرتا نہیں

یہ کہانی بھلا میرے کس کام کی
اس کہانی میں دیوانہ مرتا نہیں

رات کو پیس کر دن بنایا گیا
رات کی طرح یہ بھی گزرتا نہیں

اس گلی میں دعا کی نہ امید رکھ
اس گلی سے گدرا گر گزرتا نہیں



سوتے رہنا صرف بہانہ ہوتا ہے
مقصد اس سے ملنے جانا ہوتا ہے

ایک جگہ پر کام ملا ہے اور وہاں
آوازوں کا شور بنانا ہوتا ہے

مجھ کو بھی اس شام میں میرا حصہ دو
میں نے بھی تو دیپ جلانا ہوتا ہے

چھٹرا میرا اور مری قسمت کا ہے
اس نے تو بس بیچ میں آنا ہوتا ہے

ہم ایسوں کی عمر گزرتی جاتی ہے
جیسے جیسے زخم پرانا ہوتا ہے



عشق میں کچھ بھلا نہیں ہوگا
کہہ دیا نا دلا نہیں ہوگا

یہ نہ سمجھو کہ وہ نہیں آیا
آیا ہوگا ملا نہیں ہوگا

آپ منصف نہیں ہیں وحشی ہیں
آپ سے فیصلہ نہیں ہوگا

آپ آرام سے فنا ہو جائیں
کوئی بھی مسئلہ نہیں ہو گا

جس دیے میں لہو نہیں شامل
وہ یقیناً جلا نہیں ہوگا

بہن

میں امیر ہوں
 میرے پاس تو ہے
 جو میری آہ پر و پڑے
 مرے سامنے
 کوئی چارہ گر
 تراوا سطھ جونہ دے اگر
 تو میں چھوڑ دوں
 نئے موڑ مڑنے کی عادتیں
 مرے زخم تیرے ہی خوف سے
 ہل چھپے ہوئے
 مراسانس تیری دعا کے

رستے پر چل کے ایسے
 بحال ہے
 کہ اسے جو تیرا خیال ہے
 تو بدل نہ دے
 کہیں سانس لینے کی عادتیں
 جو روایج ہے
 کہ چلیں تو
 ایسے کہ جسم میں
 جو ہو چلے
 تو مثال دے
 یہی سوچ کر
 کہ وہ اک نظر کے
 اثر سے اپنی رگوں
 میں اپنے سفر میں زادِ سفر
 جو اسکی محبتوں
 کے کا اسیر ہے
 مرا ساتھ دے



آئینہ حیات میں چہرہ نہ دیکھیے
اوروں کو ہی دکھائیے اپنا نہ دیکھیے

ہم سے کہا کسی نے شب بھر کان میں
کوشش کریں کہ چاند کو تنہا نہ دیکھیے

مت دیکھیے کہ کس کو شب بھر نے جنا
اور رات کا چراغ سے رشتہ نہ دیکھیے

جی بھر کے دیکھیے یہ ادھوری حقیقتیں
لیکن کوئی بھی خواب ادھورا نہ دیکھیے

ہم سے یہ کہہ رہے ہیں سبھی تشنہ لب کر آپ
صحرا پرست لوگ ہیں دریا نہ دیکھیے

پہلے تو یہ بتائیے اب تک کہاں تھے آپ
آ ہی گئے ہیں اب تو تماشا نہ دیکھیے



کیفیت آج کیسی طاری ہے
جسم ہلا ہے روح بھاری ہے

رات کائی ہے میں نے ہر لمحے
تم سمجھتے رہے گزاری ہے

عشق سے عاقبت سنورتی ہے
یہ محبت تو دنیاداری ہے

اب اسے یاد کر کے رو دینا
روز کا سلسلہ ہے جاری ہے

بات پکی نہیں ہوئی ہے ابھی
ہاں مگر کہہ گئے ہیں پیاری ہے

پر دیس

وقت زندہ ماں
 وقت چلتا رہے
 اس لیے وقت کے
 ساتھ میں سانس لیتا ہوں
 لمحہ بے لمحہ گزرتا بھی ہوں
 وقت روئے تو
 میں ساتھ رو دیتا ہوں
 مسکراتے تو میں
 مسکراتا بھی ہوں
 وقت جتنا بھی ہے
 اور جیسا بھی ہے
 کٹ رہا ہے

گزارا گیا وقت بھی
 وقت وہ جو ترے دیکھنے سے
 گزرتا تھا یوں
 جیسے تو نے اسے صرف
 میرے لیے ہی چھپا کر رکھا تھا
 کہ جب میں کبھی تجھ کو
 دیکھوں تو اس میں
 کوئی لمحہ ایسا نہ ہو
 جس میں اس زندگی کے
 مقدار میں لکھے گئے درد
 محسوس ہوں
 اب یوں ہوتا نہیں
 وقت مجھ کو رلائے تو رو دیتا ہوں
 ویسے روتا نہیں

فقیر

تماشا ختم ہونے تک
 رکوں گا
 ترے ہاتھوں سے بہتی
 روشنی کی بوند
 گرنے تک
 مجھے اس دھوپ میں رکنا
 پڑا تو
 میں رکوں گا
 ستارے رات بھر جو آسمان
 پڑھماتے ہیں
 ہمیشہ دسترس سے دور

ہوتے ہیں
 مگر جب دن نکلتا ہے
 ترے جیسے فلک
 کے ہاتھ آتے ہیں
 مرے جیسوں کو دیکھتے ہیں
 ذرا میری زمیں کو دیکھ سائیں
 ستارہ پھینک سائیں

ارادہ

اگر شام ہونے سے پہلے
 چراغاں کرو گے
 تو لو میں کوئی عکس
 کیسے دیکھے گا

 اگر فیصلہ کر چکے ہو
 کہ شب کے بنائے گئے
 سارے قانون
 توڑو گے اور
 صحیح تازہ تک

ان کی داستانوں
 پہ پھرہ دیے جانے پر
 احتجاجاً محبت کی
 قربانی دو گے
 تو پھر جان لو
 عشق تاریک را ہوں میں
 پھر راہرن ہجر
 کے ساتھ مل کر
 تمہیں لوٹ لے گا
 سو بہتر یہی ہے
 کہ تم اپنے سارے ارادوں
 کو اب ملتوی کر کے
 بن عشق کے ہی
 ارادے پہ بیعت کرو



چلو یہ مان لو چراغ تم ہو اور ہوا ہوں میں
خفا نہ ہو میاں فقط مثال دے رہا ہوں میں

اگر یہ عشق والا مسئلہ نہ درمیان ہو
تو پھر تجھے بتاؤں تجھ میں کیا ہے اور کیا ہوں میں

اگر ملوگے دشت میں تو وحشتوں کا باب ہوں
جو ساحلوں پہ آگئے کبھی تو نا خدا ہوں میں

میں شاخ سے اتر گیا مزید یہ کہ پک چکا
سو دیکھ ایک اجنبی کی قبر پر پڑا ہوں میں

صدائیں دے رہا ہے وہ بُنا ہے آرہا ہے وہ
وہ سب تو ٹھیک ہے مگر اسے بتا خفا ہوں میں



بدن کو تیرگی میں بو رہا ہوں
یقیناً خواب ہے میں سورہا ہوں

محبت پیش ہونے جا رہی ہے
میں اپنی ہر گواہی کھو رہا ہوں

تجھے کیا علم آنکھیں چیز کیا ہیں
سہولت ہے تجھی تو رو رہا ہوں

یہ صحراء شک بہنے سے دکھا ہے
نہ یہ سمجھو کہ منظر دھو رہا ہوں

مرے آنسو سمندر میں گریں گے
میں دریا کے کنارے رو رہا ہوں



سمندر ہو جہاں اکثر وہاں جانی نہیں جاتی
اگرچہ جھیل اس سے مانگنے پانی نہیں جانی

صحح ہوتے ہی اپنے خواب سارے ٹوٹ جاتے ہیں
چلی جاتی ہے خوبصورت کی رانی نہیں جاتی

ہمیشہ کی طرح پھر آج اس نے مشورہ مانگا
سو دے آیا ہوں البتہ مری مانی نہیں جاتی

تری نفرت کو میں نے عشق میں تبدیل کرنا ہے
کہ اب مشکل پسندی ہے تو آسانی نہیں جاتی

کسی صورت کو اک آواز کے نرغے میں لایا تھا
مگر اب ہاتھ آئی ہے تو پہچانی نہیں جاتی



ضروری ہے اگر یہ امتحاں تو لے لیا جائے
محبت ہے اگر اس سے تو ہے اب کیا کیا جائے

جو پہلے آئے گا اس کو مسیحائی کا حق ہوگا
سو پہلے زخم آیا تھا اسے پہلے سیا جائے

ضروری ہو اگر آنکھوں سے پہلے مشورہ کرو
کہ اشکوں کو بہایا جائے یا ان کو پیا جائے

سودنوں صورتوں میں اور کچھ دیکھتا نہیں مجھ کو
ہوا کے سامنے اب زلف جائے یا دیا جائے

اضافی گھاؤ سے میری محبت ٹوٹ سکتی ہے
سو میرا جتنا بتتا ہے مجھے اتنا دیا جائے



مرنے والوں کی ہم قطار میں ہیں
اپنی باری کے انتظار میں ہیں

تھی پہاڑوں کے دشمنوں کی تلاش
پھر کسی نے کہا کہ غار میں ہیں

مے کدھ مسئلہ نہیں صاحب
مسئلے تو سبھی خمار میں ہیں

داد ہے آپ کی سماعت کو
عیب سارے مری لپکار میں ہیں

پہلے گاؤں کی ہر منڈیر پہ تھے
آج کل سب دیے مزار میں ہیں



چند کتابیں ہیں کچھ خط ہیں تیاری میں کیا رکھا ہے
ویسے ہی کچھ شعر شنا دو الماری میں کیا رکھا ہے

ہر شب اس گنام سڑک پر خوابیدہ نشے گرتے ہیں
چل نشے میں پیدل چلتے ہیں لاری میں کیا رکھا ہے

اے فریادی جلتی بجھتی دستک دینے سے کیا ہو گا
دروازے کو آگ لگاو چنگاری میں کیا رکھا ہے

عشق اگر کچھ کام کا ہوتا عاشق تم کو بتلا دیتا
تم بیکار سے پوچھ رہے ہو بیکاری میں کیا رکھا

بازاروں میں آتے جاتے لمحے یچے جا سکتے ہیں
بند زبان کا سودا کر لو بازاری میں کیا رکھا ہے



ویسے ناممکن لگتا ہے پر دھلایا جاسکتا ہے
اک سائے کی پیشانی پر زخم لگایا جاسکتا ہے

دل گر ہجرت کرنا چاہے اور کسی سینے کی جانب
روک نہیں سکتے تم اس کو ہاں سمجھایا جاسکتا ہے

مرض بڑا ہے سواب دونوں میں سے ایک ہی بچ سکتا ہے
آنکھوں کا بچنا مشکل ہے خواب بچایا جاسکتا ہے

رات گئے پھر تیز ہوا کے قاصد نے پیغام دیا ہے
ایک دیا گر بجھ جائے تو اور جلایا جا سکتا ہے

صحرا میں پھر ابر کے آجائے پر دھوپ بلا سکتی ہے
میرا جانا مشکل ہے پر میرا سایہ جاسکتا ہے



تو ایک مدت کے بعد مردہ سمجھ کے یوں جس کو رو رہا ہے
اُسے ضرورت ہے چند خوابوں کی اس لیے آج سورہا ہے

اداں گلیوں میں شام ہوتے ہی اک صدا گونجنے لگی ہے
چراغ جتنے بھی ہیں جلاو ہوا کا نقصان ہو رہا ہے

یہ عشق ایسی سڑک ہے جس پر اگر میں روکا گیا تو سمجھو
کہ دل غلط سمت جا رہا تھا سواس کا چالان ہو رہا ہے

ہمارے اطراف کی نمی ان فسردہ آنکھوں نے کھینچ لی ہے
یہ اب بے آب برگ تازہ کو جانے کیسے بھکو رہا ہے

کسی کے جانے پہ اک زمانہ اسے میسر ہے اور اب وہ
کبھی جو روتا تھا جلد بازی میں اب تسلی سے رو رہا ہے

پناہ

یہ کیا تماشا ہے

کس کے کہنے پہ

اتنی بخوبی میں کے

پہلو میں اپنا دریا

بنار ہے ہو

سنو یہاں کا اصول

یہ ہے کہ

جب بھی

اطراف میں کوئی گھر

زمیں کو بوسہ نہ دے

تو اکثریہ
 خستہ سُتی
 پھر احتجاج
 نمی کو سیلن بنائے
 دریا کو کوتی ہے
 سومت بناؤ
 اور اک بہاؤ
 جوراہ بھولے
 گزر رہا ہے
 اسے کنارے نہ دو
 کہ اس سے
 جو ذات بن کر ابھر رہی ہے
 وہ درحقیقت وہی نمی ہے
 جسے یہ سُتی
 پناہ دیتی ہے
 اور اس کی مدد
 سے نالا فگار
 دیوار و در کی سیلن
 زمیں سے نکلے
 ہر ایک خستہ مکاں
 کا الزام ایک دریا

پڑاتی ہے
 جو بدعاد سے رک گیا تھا
 اور اس بہاؤ کا ذکر
 اب تک انہیں مکانوں میں ہو رہا ہے
 جہاں وہ کردار رہ رہے ہیں
 جو اس کہانی کے لکھنے والوں
 کے ساتھ مل کر
 زمیں کے پہلو میں
 اپنا دریا بنارہے تھے



چراغ دن میں جلا رکھا ہے
یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے

خُدا کا بننے کا حکم تھا پر
خُدا کو اپنا بنا رکھا ہے

ابھی تو جاری ہے جنگ اس سے
گُمک میں کس نے عصا رکھا ہے

چراغ ڈرتا نہیں ہوا سے
بس احتیاطا بُجھا رکھا ہے

تو گُچھ بھی کہہ لے یہی کہوں گا
اب ایسی باتوں میں کیا رکھا ہے

جا گیر

اگر دل میسر بدن
 کے مقابل کھڑا ہو گیا
 تور گوں میں روانی
 لہو کی یہ بانی
 بدن کے کسی
 ایک کونے میں تیار
 ہوتے ہوئے آنسووں میں
 اگر گھل گئی تو
 یہ تکرار
 آنکھوں سے وہ رنگ
 بر سائے گی جو

ندیکھا گیا
 اور نہ چاہا گیا
 دل کو اس سے
 غرض کیا بدن کس کا ہے
 جب بدن کے الگ ہی تقاضے ہیں
 اور دل
 الگ سوچتا ہے
 تو پھر عقل کا سوچ سے
 جسم کا جان سے
 دل کا ایمان سے
 اور لہو کا
 روانی کی
 پہچان سے
 پھر گلہ ہی نہیں
 دوسرا اگر کوئی راستہ ہی نہیں
 فیصلہ کیا کریں
 کس طرح طے کریں
 اہمیت کس کی ہے
 کون منصب سننجا لے
 یا پھر کون ہو گا
 یہاں ماتحت

پُچھ بھی ہو
 اب یہ جا گیر ہے
 تو چلو
 ان کی تخلیق
 پر جو بھی مقصود تھا
 اس کا جو پُچھ بھی حاصل
 ہے سب بانٹ دیں
 روح کو
 اس خرابے سے
 ہم چھانٹ دیں



رات بھر جاگتے رہنے کا سب جانتا ہوں
پہلے معلوم نہیں تھا مگر اب جانتا ہوں

وادیِ عشق سے آئے ہو تو خاموش رہو
مجھ کو تم کوئی خبر دونہ دو سب جانتا ہوں

اور تو کوئی مجھے جانتا نہیں ہے مگر
جانتا ہے مجھے تو اے مرے رب جانتا ہوں

آنکھ لگ جائے تو پھر آنکھیں کھلی رکھتا ہوں
یعنی میں خواب بنانے کا بھی ڈھب جانتا ہوں

لاکھ چاہوں بھی تو تفصیک نہیں کر سکتا
کس کا کرنا ہے یہاں کتنا ادب جانتا ہوں



یہ تو تم نے کہا تھا آؤں گا
میں نے یہ کب کہا بلاوں گا

رات سے مستقل تعلق تک
خواب دیکھوں گا لوٹ جاوں گا

عشق کہتے ہیں آزمائش ہے
اس لیے خود کو آزماؤں گا

اے ہوا تو نے ٹੁن لیا کس سے
آج میں پھر دیا جلوں گا

چ کہوں گا کہ چ کا وعدہ تھا
پر حقیقت نہیں بتاوں گا

شکست

یہ شب اداسی کو

بجانپ لے گی

چراغ زخمی ہوا

کے آگے

جواب بھی

ہتھیار ڈال دیں گے

تو قید ہو جائے گی

اداسی

مُک جواشکوں

کی آرہی ہے

شکست کھانے

پا ب وہ

اپنی ہی پسپا آنکھوں

کی سمت

کیسے روانہ ہوگی

اے شب کے لشکر

ان آنسووں کو

کوئی غنیمت سمجھ

کے رکھلو



ہوش والوں کو کہاں علم کہ کیا دشت میں ہے
چل اے آشقتہ سری تیرا مزہ دشت میں ہے

شہر میں روِ دعا سے جو اُداسی پھیلی
پھر کسی نے یہ بتایا کہ خُدا دشت میں ہے

آج کی شام بلا خوف چراغاں ہوگا
کیونکہ وحشت کے تعاقب میں ہوا دشت میں ہے

جا فقیرا تیرا ہونا بہاں ناکافی ہے
تو چلا آیا ہے پر تیری صدا دشت میں ہے

بزم میں رکھی گئی ہے نئی گفتار کی شرط
اب وہی بات کرے جس کا پتا دشت میں ہے



یوں بھی اپنے آپ کو اکثر سزا دیتا ہوں میں
آپ کہتے ہیں تو پھر سے مُسکرا دیتا ہوں میں

مسئلہ یہ بات کرنے سے تو حل ہوگا نہیں
احتیاطاً اُس سے پہلے ہاتھ اٹھا دیتا ہوں میں

تیرگی کی فصل سے سارے ستارے کاٹ کر
باقی ماندہ کھیت کو یکسر جلا دیتا ہوں میں

کر رہا ہوں میں تو خود اک بدعا کا سامنا
آپ کو کس بتایا ہے دعا دیتا ہوں میں

آئیے پہچان لجھیے اپنے اپنے جسم کو
بعد میں گھر کا پتا سب کو بتا دیتا ہوں میں

قطعہ

زخم جب نقش میں تبدیل کیے جاتے ہیں
درد کے مرحلے ترتیب دیے جاتے ہیں

مسئلہ یہ نہیں اطراف میں تاریکی ہے
دیکھنا یہ ہے کہ کس سمت دیے جاتے ہیں



خزاں کے اور بھاروں کے درمیان ہوں میں
کہ اب کی بار شراروں کے درمیان ہوں میں

ہوں ایک دھنڈ نگاہوں سے دشمنی ہے مجھے
نظر کے اور نظاروں کے درمیان ہوں میں

سو مجھ سے پوچھ مقدر میں ترے کیا ہے لکھا
کہ آج رات ستاروں کے درمیان ہوں میں

نظر نظر میں مرے یار سے نہ کرباتیں
مرے رقیب اشاروں کے درمیان ہوں میں

میں ڈوبنے سے بھلا کس طرح بچاؤں تجھے
مجھے نہ تھام کناروں کے درمیان ہوں میں



لمحہ لمحہ اسکا دھارا جاتا ہے
مشکل سے اب وقت گزارا جاتا ہے

زخموں کی تفصیل بتانا مشکل ہے
یعنی تیری سمت اشارا جاتا ہے

ایک اکیلا یاد کا پچھی زندہ ہے
صبر کروں تو وہ بھی مارا جاتا ہے

کشتنی سے تعبیر کیا جاتا ہے دل
دریا میں جب خواب اُتارا جاتا ہے

منصف کو آداب سکھائے جاتے ہیں
جب بھی تیرا نام پکارا جاتا ہے



آپ ہی کا ہے یہ احسان لیے پھرتے ہیں
ہاتھ میں بھر کا سامان لیے پھرتے ہیں

ہم وہ مغوی ہیں جو اپنی ہی رہائی کے لیے
قریبِ عشق میں تاداں لیے پھرتے ہیں

آج مندی کا یہ عالم ہے کہ اے بردہ فروش
اپنے بچے نہیں انسان لیے پھرتے ہیں

شاہزادی ترے ماتھے کی شکن اک پل کی
اور ہم تب سے یہ بہتان لیے پھرتے ہیں

درد آزاد ہے سمجھیں جو بھلا ہو ان کا
اور سینے میں جو زندان لیے پھرتے ہیں؟



پھر ترا کوزہ گر بھرم رکھا
خاک نے چاک پر قدم رکھا

میں نے رکھی تھیں راہ پر آنکھیں
اور بدلتے میں اس نے نم رکھا

درد کا ہو رہا تھا بُوارا
اپنے حصے کا اس نے کم رکھا

بُت کدے میں پڑاو ہے اپنا؟
کس نے سامان میں صنم رکھا؟

غم ترا اور میرا ایک ہوا
میں نے سینے پہ جو علم رکھا



کوئی شعلہ شراروں میں چھپ جائے گا
یعنی بھوکا قطاروں میں چھپ جائے گا

جب یہ آنکھیں اُن آنکھوں سے ٹکرائیں گی
تب یہ منظر نظاروں میں چھپ جائے گا

میں خزاں سے نکلا گیا اک شجر
نچ گیا تو بہاروں میں چھپ جائے گا

یہ شہر گونگے بہرے مکینوں کا ہے
واقعہ تو اشاروں میں چھپ جائے گا



بدل چکا ہے ہواوں کا رخ بدل تو بھی
جلوں میں کس لیے تنہا چراغ جل تو بھی

گھلی جو آنکھ تو رستہ فرار کا پایا
اے مدتوں سے تھمے اشک اب نکل تو بھی

میں آئنے سے مخاطب ہوں اب تو کہنے دو
پگھل رہا ہوں تو اے عکس اب پگھل تو بھی

میں اس لیے بھی تجھے راز داں نہیں رکھتا
نکال لے گا مری مشکلوں کا حل تو بھی

نہ تجھ سے کوئی تعلق نہ خوف ہے تیرا
سو میرے گھر سے نکل زندگی ، اجل تو بھی



فرض کرلو اگر نہیں ملتا
ڈھونڈنے سے بھی گھر نہیں ملتا

حسن ملتا اور عشق بھی ملتا
کوئی شوریدہ سر نہیں ملتا

وہ سرراہ روز ملتا ہے
اتفاقاً مگر نہیں ملتا

دل جو سینے پر سر پٹختا ہے
کوئی دیوار و در نہیں ملتا

آہ نکلے تو کس طرح سیفی
درد کو یہ ہنر نہیں ملتا

استعارہ

اب میسر کی تقدیر کا فیصلہ
 میں کروں؟
 رات بھر آسمان پر تنویں بنانے
 سے تم کو لوگا
 میں ستاروں پر قسمت مٹانے
 یا لکھنے میں مصروف ہوں؟
 مُٹھیاں بند کرنے کا مطلب
 یہ ہرگز نہیں ہے
 کہ مجھ کو فلک سے کسی استعارے
 کی پاداش میں
 بٹنے والے چمکتے بکھرتے
 حسین جگنوؤں کی طرح
 اپنے حصے کے کچھ

طے ہوئے مرحلوں
 کی کہانی میں بچھڑے ہوئے
 اُن فردوں مگر آگئی سے منور
 فسانوں کے کرداروں کو قید کرنے کا
 حتم لگیا
 ہاں اگر میں یہ دعویٰ کروں
 کہ مجھے شام ڈھلتے ہی
 چھت پر لگے اپنے موہوم بستر
 پہلیٹے ہوئے
 شب کے قانون کو توڑنے
 کے لیے جا گناہے
 تو یہ جان لو
 میں حقیقت کے پردوں کے
 پچھے کھڑے ایک
 الہام کو
 اپنے ان دیکھے خوابوں کی دلیزیز پر
 روکنے کے لیے
 جن ستاروں میں تاویل و تعبیر
 کے راز پہنچاں ہیں
 ان کو مسلسل کسی استعارے
 کے جھانسے میں لا کر

کہ دیکھو مجھے اب
 یہ ممکن نہیں لگ رہا کہ میں
 ایک الہام کو جو حقیقت
 کو درپیش ہے
 کوئی تاویل دوں
 اس لیے گرمی آنکھ
 لگنے لگے
 مجھ کو سونے نہ دو

قطعہ

چند بوندیں ہی ضرورت تھیں مری ہستی کی
اور کتنا میں گھٹاوں کا تعاقب کرتا

میں دیا ہوں مری دشمن تو مری سانسیں ہیں
پھر بھلا کیوں میں ہواوں کا تعاقب کرتا

صرف تہائی ہے جنگل میں یقیں ہے پھر بھی
کوئی آئے گا صداوں کا تعاقب کرتا

قا مثلا

قطرہ جاں گھلاؤ اتیں ہبھر میں
 تب کہیں جام میں زہر کی مستیوں کا
 رگوں کو ملا کچھ صلاح قاتلا
 رقص کے شوق میں
 راستوں میں پڑے ہر بھجے دیپ کو کھائی ہے
 ہوا گردیوں مت اُڑا
 اب تو جا قاتلا
 ہبھر کے شہر میں درد کی بھیڑ ہے
 راستے بند ہیں
 رہنمای قید ہیں
 اس لیے خوف سے بھاگنا شرط ہے
 خواب ناپید ہیں
 نیند جو بانجھ ہے
 رات کے جسم سے
 چاند کے حسن سے
 عاشقوں کو بھلا کیا ملا قاتلا



درد کو بیمار کر
عشق مت کر پیار کر

گلستان کو چھوڑ دے
خوشبوؤں پے وار کر

میرے حصے کا جنوں
مر گیا ہے مار کر

دیکھتا ہے کیا مجھے
آدمی ہوں پیار کر

گھر گیا تو یہ سنا
آگیا ہے ہار کر

تقطیم

عجب سودا ہوا اس دن

پُرانے گھر کی چھت پر

رات کے پچھلے پہر

میں نے تمہیں جب چاند بیچا تھا

تو بد لے میں

مجھے تم نے

ستاروں سے بھری

اک پولی دی تھی

ستارے وہ تھے جو

آشونگی میں

نیلگوں آنکھوں سے ٹپکے تھے

یا پھر شام کد
 فلک تقسیم ہو جانے پہ
 وہ اک رت جگے انسان کے
 حصے میں آئے تھے
 وہ عاشق تھا
 وہ عاشق ہے
 وہی ہے رات کا وارث
 گز شتم شب کسی کے لوٹ جانے پر
 فلک کوموت آئی تھی
 وصیت کے مطابق وہ ستارے
 اس کو ملنے تھے
 اگر یوں ہے
 تو میرے تھے
 بھلا پھر کیوں
 مرے ہی چاند کے بد لے
 مجھے میرے ستارے
 دے دیئے تم نے

قطعہ

کچھ نہیں تو اک دریچہ ہی کھلا رکھو میاں
دل کو چھوڑو دل میں رہنے کے بھلا قابل ہیں کیا

گلستان سے جب بھی گزرے گل رخوں نے یہ کہا
آپ دکھنے میں ہیں انساں آپ بھی قاتل ہیں کیا



چراغوں کے نگر میں اے اجالو
ہوا چلنے لگی ہے لو سنبھالو

تمہارا نام لکھ کر چومتا ہوں
ذراسی بات کو یوں مت اچھالو

یہ سکے شہر میں جا کر چلانا
میاں یہ دشت ہے وحشت نکالو

یہ دھمکی ہے نہ کوئی انتباہ ہے
بچا سکتے ہو گر خود کو بچالو

مرا گھر بھی گرا ہے بارشوں میں
مرے حصے کی روٹی بھی اٹھالو



دلasse کون دے گا دیکھ لیں گے
کہاں تک ساتھ دے گا دیکھ لیں گے

سمندر تک سفر مشکل ہے لیکن
اگر دریا ہے گا دیکھ لیں گے

ابھی تو شب ہمیں دھمکا رہی ہے
دیا جیسے جلے گا دیکھ لیں گے

چلو قسمت کو مل کر کوستے ہیں
ستارہ جب گرے گا دیکھ لیں گے

ابھی محفوظ رکھیں آئئے کو
کہ جب چہرہ ملے گا دیکھ لیں گے

گیٹ نمبر 19

تلاش جاری رہے گی
 لیکن تلاش کرنے سے جو ملے گا
 اسے یہ مٹی اور اس کی خوشبو
 سنبھال لے گی؟
 خیال رکھنا پڑے گا
 ایسی امانتوں کا
 جو ایک مدت سے
 اس زمیں کے اداس کونے
 پر کھکھ کے قسمت
 نے ان پر پھرہ لگادیا تھا
 سفر کا پھرہ
 اور اس پر کھی ہے شرط

پہلے وہ گاول چھوڑو
 جہاں گزشتہ دنوں
 کے سارے امین تم کو
 نرودک پائیں
 عجیب ہے نا؟
 یہ شرط رکھنا عجیب ہے نا؟
 اداں آنکھیں روانہ کرتے
 ہوئے مسلسل
 پکارتی ہیں کہ مرٹ کے دیکھو
 بس ایک لمحے کو مرٹ کے دیکھو
 گزشتہ سالوں کے سارے لمحوں
 سے قیمتی ہے یہ ایک لمحہ

بائی پاس

عجیب دل ہے

کبھی جودھڑ کا نہ میرے اندر

کبھی بہاؤ دیا نہ میرے لہو کو اس نے

گز شستہ ساری دھائیوں میں

نہ جانے کتنے

ملاں جھیلے

مگر اکیلا

ہی چل رہا تھا

بہاؤ رکنے کے سارے اساب

کواکھا کیا تھا اس نے

کہ جس کے اندر دھڑک رہا تھا

اسے خودا پنی خبر نہیں تھی

فقط مری تھی

مگر یہ پوسٹ جس

کے سینے میں ہے

اسی کا لہو ہے مجھ میں

اسی کی سانسیں میں

لے رہا ہوں
 اسی کی آنکھوں سے دیکھتا ہوں
 وہی ہے جس نے
 ہمیشہ اپنی خوشی کو کھانا
 اسے تراشا
 پھر اس میں تھوڑا ہمولا یا
 ہنسی بنائی
 بناتے کے میرے لبوب پر رکھی
 ہمیشہ یونہی کیا ہے اس نے
 سواب یقیناً وہ تھک گیا
 لہو بنانے کے راستے میں
 پڑی رکاوٹ کو آج
 جڑ سے الھاڑنا ہے
 سواس بھروسے پہ
 آگئے ہیں کہ وہ مصور
 سن بھال لے گا
 ہر اک رکاوٹ ہٹا
 کے دل کو
 پڑی ہے مشکل
 جو آج اس سے
 نکال لے گا